© rasailojaraid.com

آدمی کی ایک مشینی اور مفاد پرستانہ تصویر پیش کی' یعنی ڈارون ازم۔ یہ تصویر انسان کی مکمل تصویر نہیں ہے' کیوں کہ ابتدائی دور کی پسماندہ ترین اقوام میں بھی مفاد سے بالاتر ہو کر سوچنے' حواس خمسہ سے ماورا عالم کا تصور رکھنے اور مذہبی نوعیت کے رسم و رواج بجالانے کے آثار ملتے ہیں۔ ایسی روحانی سرگرمیوں کی کوئی مادی (یعنی ڈارون ازم پر مبنی) تشریح ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ انسان کی تمدنی زندگی کے برعکس اس روحانی اور ثقافتی دنیا (ادب' مصوری اور مذہب) میں کوئی ارتقا نہیں دیکھا گیا۔ مادی لحاظ سے پسماندہ ترین معاشرے بھی اس معاملے میں اتنے ہی آگے ہیں جتنی کہ آج کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی اقوام۔ یہ روحانیت ہی انسان کا جوہر' پہچان اور کائنات میں اس کی انفرادیت ہے۔

کتاب کے پہلے پانچ ابواب میں مادیت اور روحانیت کے مظاہر کا طویل بیان ہے۔ کہا گیا ہے کہ سائنس و مادہ پرستی کی شکلیں: تمدن' ترقی' ٹیکنالوجی' تعلیم' معاشرہ' بڑے شہر' مفاد عامہ' عمل اور مارکسزم ہیں۔ دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کے روحانی پہلو کا اظہار ادب' ثقافت' انقلاب' انسانی اقدار' تصوف' انفرادی آزادی' دیہاتی زندگی' حقوق انسانی' نیت اور مذہب (اپنے محدود مفہوم میں) کی صورت میں ہوتا ہے۔ کتاب میں ایک ایک مادی مظہر کو لیا گیا ہے اور اس کا تقابل کسی نہ کسی روحانی سرگرمی سے کر کے انسان کی ایک دو پہلو تصویر پیش کی گئی ہے۔ چوں کہ عصر حاضر میں مادیت اور روحانیت کا سب سے نمایاں اظہار کیمونزم اور عیسائیت کی صورت میں ہوا' لہٰذا کتاب کا ایک بڑا حصہ ان دونوں کے تقابل پر مشتمل ہے۔ کتاب کے عنوان میں اسی تہذیبی کشمکش کی طرف اشارا ملتا ہے۔

جناب بیگو وچ کا خیال ہے کہ سوشلزم اور عیسائیت میں سے کوئی بھی نظام حیات انسان کے لیے موزوں نہیں' کیونکہ انسان نہ محض مشین ہے کہ سوشلزم سے مطمئن ہو جائے اور نہ محض روح کہ عیسائیت کے مطابق کامیاب زندگی گزار سکے۔ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے لہٰذا جب سوشلزم یا عیسائیت جیسے نظام ہائے حیات کو انسانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی اصلی شکل میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ سوشلزم کو آزادی' مساوات' حقوق انسانی' قومی جذبہ وغیرہ جیسے نعرے اپنانا پڑتے ہیں' جو اپنی اصل میں مذہبی نعرے ہیں۔ اسی طرح عیسائیت کو رنگ و بو کی دنیا کی طرف توجہ دینی پڑتی ہے۔ سوشلزم اور عیسائیت کی یہ "درگت" (ناکامی) ظاہر کرتی ہے کہ انسان کے لیے صحیح ضابطہ حیات وہی ہو سکتا ہے جو اپنی اصلی شکل میں جسم اور روح دونوں کے تقاضے پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے۔ کتاب کے آخری پانچ ابواب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ایسا نظامِ حیات صرف اسلام ہے جس میں بشر رہتے ہوئے اور ترکِ دنیا کیے بغیر' روحانی ترقی اور اُخروی نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ ہر اسلامی عمل میں جسم اور روح دونوں حصہ لیتے ہیں۔ جیسے نماز میں تلاوت و تسبیح سے پہلے جسم کو صاف کرنا پڑتا ہے' یعنی وضو کرنا ہوتا ہے۔ عیسائیت میں عبادت کے لیے جسمانی صفائی ضروری نہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب کی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسے اپنے موضوع پر حرفِ آخر قرار دینے میں کئی موانع ہیں۔ مصنف نے سائنس کی ۲ + ۲ = ۴ جیسی خشک منطق اور میکانکی تصویر پیش کرنے کے بعد' یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جوہرِ انسانی (تخلیقی صلاحیت) کا اظہار صرف غیر سائنسی سرگرمیوں (خصوصاً" فنونِ لطیفہ) ہی میں ہوتا ہے۔ نتیجتاً" مصنف ہر طرح کے ادب اور مصوری وغیرہ کو انسانیت کی معراج اور انتہائی مقدس قرار دینے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ سائنس کی اس خشک تصویر سے اکثر سائنس دان اتفاق نہیں کریں گے' جو تصور کرتے ہیں کہ سائنس بھی کسی حد تک تخلیقی عمل ہے' اور یہ کہ جیسے مختلف انسان مختلف ادب پیدا کرتے ہیں اسی طرح مختلف سائنس دان بھی کسی ایک مسئلہ کے بارے میں متعدد نظریے پیش کرسکتے ہیں۔ اگرچہ سائنس میں ہر نظریے کے پیش کار کو اپنے خیالات کی مثالیں اور دلائل دینا ہوتے ہیں۔

اس پہلو کو نظرانداز کر دینے کے باعث زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف ڈارون کے خیالات کو سائنس کی حتمی رائے قرار دیتے ہیں' مگر اس کے باوجود (انسان کے روحانی تجربات کے پیشِ نظر) اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ زندگی کے روحانی پہلو کی اہمیت نہ سمجھنے والے ایک عام شخص کے لیے ان کی دلیل کو موجودہ شکل میں جذب کرنا شاید مشکل ہو۔ وہ واضح الفاظ میں جاننا چاہے گا کہ "سائنس سے بھی بڑی دلیل" کونسی ہے اور کیوں ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام کے مختلف پہلوؤں پر اس کتاب میں کئی جگہ تنقید کی گئی ہے۔ بایں ہمہ مصنف نے سرمایہ داری اور جمہوریت کی حیثیت اس طرح متعین نہیں کی جیسی سوشلزم اور عیسائیت کی۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ مصنف سرمایہ داری کو آج کی مغربی دنیا میں عیسائیت کی عملی شکل سمجھتے ہیں یا کچھ اور؟ کتاب کے آخر میں وہ برطانوی اور امریکی معاشرے اور یورپ کی چند سیاسی پارٹیوں کے بعض پہلوؤں کی تعریف کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ "ایک غیر مسلم قوم ایمان لائے بغیر بھی کسی حد تک اسلامیت اختیار کر سکتی ہے۔" ممکن ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ مدتوں کے لیے یہ بات قابل قبول نہ ہو۔کتاب کے شروع میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ "یہ اسلام پر ایک جامع کتاب نہیں" نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے مخصوص عقائد کے حق میں دلائل اس کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہیں۔

ایسے مشکل اور منطقی مباحث کی حامل اس کتاب کا ترجمہ کرنا آسان کام نہ تھا' مگر فاضل مترجم جناب ایوب منیر نے بڑے عمدہ انداز میں اس چیلنج سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کی ہے۔ ان کا ترجمہ رواں اور محاوراتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ "محاوراتی" ہو گیا ہے۔کتاب کے انگریزی متن میں موجود چند دلائل اردو ترجمے میں جگہ نہیں پا سکے۔ فنونِ لطیفہ پر ایک پورا باب (نمبر ۳) محذوف ہے۔ اس طرح بعض دیگر ابواب کے چند حصوں کا ترجمہ شامل نہیں کیا گیا۔ اگر اس کا سبب مترجم کی یہ رائے ہے کہ اردو دان طبقہ استدلالی انداز سے زیادہ مانوس نہیں تو یہ ناقابل قبول ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر اردو زبان منطق و فلسفہ سے کیوں کر مانوس ہو گی۔ ہمارے خیال میں اردو دان طبقے کو استدلالی انداز سے مانوس کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے مباحث آسان اور عمدہ اسلوب میں ان کے سامنے پیش کیے جائیں۔ چوں کہ سائنس و فلسفہ مترجم کا میدان نہیں ہے اس لیے بعض مشکل خیالات اور عبارات میں منطقی ربط قائم رکھنے میں کہیں کہیں عجز کی صورت نظر آتی ہے۔

اس سے قطع نظر یہ کتاب قارئین پر سوچ کی نئی راہیں کھولتی اور انھیں علم اور فکر کے نئے آفاق سے روشناس کراتی ہے اور مروجہ افکار و نظریات اور علوم و فنون کے بارے میں ایک اسلامی نقطۂ نظر کی تعمیر و تشکیل کرنے کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں' یہ کوتاہی افسوس ناک ہے۔

(ڈاکٹر بلال مسعود)

THE ROLE OF JUDICIARY AND THE OBJECTIVES RESOLUTION

از سردار شیر عالم خان ایڈووکیٹ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف ۷/۲ اسلام آباد۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت ۵۰ روپے

پاکستان کا قیام مسلمانان برعظیم کے گہرے تاریخی شعور اور اسلامی تصورِ حیات کے لیے ان کی طویل جدوجہد کا ثمر ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران میں بانی پاکستان اور مسلم لیگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بہت سے دوسرے راہنماؤں نے بار ہا یہ اعلان کیا کہ حصولِ پاکستان کا مقصد اس خطۂ زمین کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا ہے' مگر پاکستان بن گیا تو حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ سید مودودیؒ کو اسلامی دستور کے لیے عوامی سطح پر جدوجہد کا آغاز کرنا پڑا۔ دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی اور لیاقت علی خان مرحوم کی قیادت میں سردار عبدالرب نشتر' ڈاکٹر عمر حیات ملک' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' چودھری نذیر احمد جیسے لوگوں نے پوری کوشش کی کہ اس نوزائیدہ مملکت کے نظریے اور عقیدے کا آئینی سطح پر اعلان کیا جائے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو منظور ہونے والی "قرار دادِ مقاصد" انھی مساعی کا نتیجہ تھی۔

"قرار داد مقاصد" کی منظوری کے بعد' وطن عزیز کی سیکولر قوتوں کو جمہوری انداز اپناتے ہوئے اسے تسلیم کر لینا چاہیے تھا' مگر ایسا نہیں ہوا' جس کے نتیجے میں ملک پہلی دستور ساز اسمبلی کی تحلیل' ۱۹۵۳ کی تحریکِ ختم نبوت' اور ۱۹۵۶ کے آئین کی پامالی جیسے افسوس ناک سانحوں سے دوچار ہوا۔ اس صورت حال میں قرار داد مقاصد کی حیثیت ایک نمائشی دستاویز بن کر رہ گئی تا آنکہ ۱۹۷۳ کے آئین میں آٹھویں ترمیم (آرٹیکل ۲' الف) کے ذریعے اس کا قرار واقعی مقام متعین کیا گیا' چنانچہ اب یہ قوتِ نافذہ کی حامل زندہ دستاویز بن گئی ہے اور مطلوب بھی یہی تھا۔

افسوس ہے کہ (شاید "روشن خیالی" اور مغرب سے مرعوبیت کے زیرِ اثر) سپریم کورٹ آف پاکستان کے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے "قرار دادِ مقاصد" کی اس برتر آئینی حیثیت کو تسلیم کرنے سے صریحاً" انکار کر دیا۔ انھوں نے "حاکم خان کیس بنام حکومت پاکستان" ۱۹۹۲ میں "قرار دادِ مقاصد" کی' متذکرہ بالا دستوری فضیلت کے تصور کو مسترد کر دیا۔ اسلامی تصورِ عدل کے برعکس ہماری اعلیٰ عدالتیں اپنے فیصلوں پر سنجیدہ رائے زنی کو "توہین عدالت" کے زمرے میں لاتی ہیں' لیکن سچی بات یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے اس "استحقاق" کا اطلاق قرآن و سنت' اسلامی شعائر اور متفقہ قومی مینڈیٹ کی تعبیر و تنقید کا حلیہ بگاڑنے پر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہمارے بعض قانون دان یا وکلا جب شریعت کورٹ کو "نام نہاد عدالت" کہتے اور لکھتے ہیں تو ہمارے اعلیٰ عدالتی نظام کو اس میں "توہین عدالت" کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔۔۔؟

تبصرہ نگار کے خیال میں جسٹس محمد منیر نے تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ کی "انکوائری رپورٹ" میں

© rasailojaraid.com